اردو بازار، لاہور، ص ۹ب

۲۹۔ آلوسی، محمود شکری آلوسی۔ بلوغ الارب طبع دار الکتاب العربی، مصر طبع سوم، جلد اول، ص ۲۶۴، ۱۳۴۲ھ۔

عرب کے مختلف حصوں میں سال بھر میلے جاری رہتے تھے۔ سیاسی طور پر ان کی اہمیت اس لیے بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہی وہ مواقع تھے کہ جہاں ایک ہی وقت میں بہت سے قبائل جمع ہوتے تھے۔ آپس میں باہمی معاملات طے ہوتے۔ باہمی خون کے مقدمے، سرداروں کے اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ یہیں کیا جاتا۔ گویا ان میلوں (مجامع) کو اس اعتبار سے ایک قسم کی بین القبائلی عدالت (Inter-Tribal Court) کہا جا سکتا ہے۔ ان میلوں کے ذریعے پورے ملک میں عملاً ایک معاشی وفاق بھی قائم ہو چکا تھا۔ یہ میلے دومۃ الجندل، مشقر، صحار، دبا، عدن، صنعاء، حضرموت، عکاظ، ذوالمجاز، خیبر، منیٰ، یمامہ میں منعقد ہوتے تھے۔ ان میلوں میں چین، سندھ اور ہند کے لوگ بھی تجارتی سامان لاتے تھے۔ عکاظ کا میلہ ان تمام میلوں میں سب سے زیادہ شہرت کا حامل تھا۔ جہاں ایام حج میں برابر خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔

ہر اک ذرہ میں ہے شاید مکیں دل
اسی جلوت میں ہے خلوت نشیں دل
اسیر دوش و فردا ہے و لیکن
غلام گردش دوراں نہیں دل
کوئی دیکھے تو میری نے نوازی
نفس ہندی، مقام نغمہ تازی
نگہ آلودۂ انداز افرنگ
طبیعت غزنوی، قسمت ایازی

کیا جہیز دینا سنّت ہے؟

علامہ جعفر شاہ پھلواری

عورتوں کے اسلامی حقوق

اسلام نے عورتوں کو جتنے حقوق دیئے ہیں۔ ان سے زیادہ حقوق آج تک کسی مذہب، کسی قوم اور کسی مملکت نے اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہیں دیئے ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ عملی زندگی میں مسلمان قوم نے ان حقوق کا بڑا حصہ سلب کر لیا ہے اور دوسری طرف جب قوموں کے مذاہب نے عورتوں کو برائے نام حقوق دیئے تھے ان قوموں نے عورتوں کو عملاً بہت کچھ حقوق دے دیئے ہیں یا دے رہے ہیں۔ تارک مذہب تو مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔ لیکن اسی ترک مذہب سے مسلمان نیچے گر گئے اور غیر مسلم آسمان عروج پر پہنچ گئے

ایک لگن کے دو ہیں اثر اور دونوں حسب مراتب ہیں
لو جو لگائے شمع کھڑی ہے رقص میں ہے پروانہ بھی

(آزاد لکھنوی)

ترک مذہب کے یہ دونوں اثرات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ادھر ترک اسلام کے نتیجے میں رسوم کفر کی پیروی ہو رہی ہے اور ادھر ترک کفر کے ساتھ ساتھ اسلامی اصول کو اپنایا جا رہا ہے۔

ع ... میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

جہیز اور مسلمان

اس کی مثال میں ہندو دھرم اور اسلامی دین کی صرف ایک بات کو پیش کرنا کافی ہے۔ ہندو دھرم میں دختر کے لئے وراثت میں کوئی حصہ نہیں اس لیے وہ اس کی تلافی یوں کرتے رہے کہ جب بیٹی کی شادی کرتے تو جتنا کچھ ہو سکے جہیز کے نام سے دے دیتے۔ مسلمان بھی یہی کچھ ان کی دیکھا دیکھی کرنے لگے۔ بہت سے خاندانوں میں بیٹی کو ترکہ نہیں ملتا۔ سارے مسلمان ایسا نہیں کرتے لیکن دوسرے حصے پر سب عمل کرتے ہیں یعنی

بیاہتے ہوئے اسے جہیز دینا اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ گویا اس کے بغیر شادی ہی مکمل نہیں ہوتی۔

تبدیلیٔ رسم

ذرا یہ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ہندو اپنے دھرمی اصولوں کو ترک کر رہے ہیں اور اس ترک کے علاوہ اسلامی اصولوں سے پیار کر رہے ہیں یعنی اب دختر کو ترکہ دلوا رہے ہیں اور جہیز کے لئے قانوناً ایک حد مقرر کر دی گئی ہے اور اس کے بالمقابل مسلمانوں نے یہ کیا کہ ہندو اصول پر چلتے ہوئے ہیں جہاں قانون مجبور کرے وہاں ترکہ دے دیتے ہیں لیکن جہیز کو ایسی لازمی شرط ازدواج قرار دے رکھا ہے کہ اس کی فکر میں مرتے رہتے ہیں اور اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت کی طرح بیٹی کی ولادت کو اپنے لیے ایک بڑی مصیبت تصور کرتے ہیں۔

رسم جہیز کس طرح آگئی

یہاں تک تو خیر کچھ غنیمت تھا اس لیے کہ مسلمانوں کو جب بھی یہ احساس ہوگا کہ جہیز محض ہندوؤں کی ایک رسم ہے تو وہ اسے ترک کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے لیکن غضب تو یہ ہوا کہ انہوں نے اسے سنت رسول بھی قرار دے دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سنت کے بغیر دین مکمل نہ ہو تو ازدواج بھی بغیر سنت جہیز کے مکمل نہیں ہو سکتا۔ پھر سب سے زیادہ دلچسپ استدلال جہیز کے سنت ہونے پر یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز دیا تھا جس میں بان کی چارپائی، چکی، مٹی کے گھڑے، ہاتھی دانتوں کے کنگن، چاندی کا ہار، مشکیزے اور اذخر سے بھری ہوئی توشک تھی۔ گویا مقدمات کی ترتیب یوں ہوئی کہ۔۔۔ حضور ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فلاں فلاں چیزیں جہیز میں دیں۔ لہٰذا جہیز دینا سنت ٹھہرا۔ اور سنت کے بغیر دین مکمل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جہیز کے بغیر ازدواج مکمل نہیں ہوگا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ کہ ایک غیر اسلامی اور خالص ہندوانہ رسم کس طرح رواج پا گئی۔

مہر کی بجائے جہیز

اب ہماری معروضات کو بھی بغور سن لیجئے۔ آپ کے سامنے خدا کی کتاب کھلی ہے احادیث کے دفتر موجود ہیں۔ ہر مشرب کی کتب فقہ لکھی ہوئی ہیں۔ آپ کو ہر ایک جگہ مہر کی تصریح ملے گی۔ قرآن نے اسے فریضہ، صدقات اور اجر کہا ہے۔ احادیث میں اسے صداق اور مہر بھی کہا گیا ہے۔ فقہ میں اس کے مستقل ابواب موجود ہیں اور ہر جگہ اسے ایک واجب الادا قرض بتایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ مسند احمد کی روایت ہے کہ:

من تزوج امرأة بصداق و نوى ان لا يؤديه فهو زان

"جو شخص ایک عورت سے کسی مہر پر نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ اسے ادا نہیں کرے گا تو اس کا شمار زانیوں میں ہے"۔

اور قرآن میں تو بار بار اس کی تاکید آئی ہے کہ عورتوں کو ان کا مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔ سب کا

ذکر یہاں مقصود نہیں۔ عرض یہ کرنا ہے کہ مہر کے سارے احکام قرآن میں حدیثوں میں، اور فقہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہیں لیکن جو چیز آپ کو کہیں بھی نہیں ملے گی وہ ہے جہیز کا ذکر۔ قرآن اس کے ذکر سے قطعاً خالی ہے۔ احادیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ حتیٰ کہ فقہ میں کہیں کوئی باب الجہیز موجود نہیں۔ اب خود ہی اس سوال کو حل کیجیے کہ یہ جہیز سنت کیسے بن گیا؟

پھر اس پر بھی غور فرمائیے کہ حضور اکرم ﷺ کی اور بھی تین صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ لیکن کیا آپ نے کبھی یہ بھی سنا کہ حضور ﷺ نے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ یہ چیزیں جہیز میں دیں۔ یا رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز دیا جس میں فلاں فلاں چیزیں تھیں۔ اسے بھی جانے دیجیے۔ حضور ﷺ کے شرف زوجیت میں کتنی امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن آئیں لیکن آپ نے کہیں یہ بھی پڑھا ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جہیز میں یہ چیزیں موجود تھیں؟ یا حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن فلاں فلاں چیزیں اپنے ساتھ جہیز میں لائی تھیں؟ چلیے جانے دیجیے۔ دوسرے بے شمار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی شادیاں فرمائیں لیکن کتنوں کے متعلق آپ نے کبھی یہ ذکر پڑھا ہے کہ ان کی ازواج "سنت رسول ﷺ" کے مطابق اپنے ساتھ جہیز لائی تھیں؟ پھر ذرا عقل پر زور دے کے سوچیے کہ آخر یہ سنت رسول ﷺ کی کونسی قسم ہے جو ازدواج فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا کہیں نظر نہیں آتی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ حقیقت کچھ اور ہو اور ہم نے فرض کر لیا ہو کچھ اور یہاں الجھاؤ یہی بات ہے۔ آئیے ذرا اس پر غور کریں۔

حقیقت حال

اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے حضور ﷺ نے وہ چیزیں (جن کا ذکر اوپر ہوا) جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیں لیکن کیا یہ وہی چیزیں تھیں جسے ہم عرف عام میں "جہیز" کہتے ہیں؟ یقیناً نہیں۔ جہیز کی اصطلاح سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ پھر یہ کیا تھا؟ اسی مسئلے پر اس وقت غور کرنا ہے۔ ذرا توجہ سے کام لیکر حقیقت حال پر غور فرمائیے۔

حضور ﷺ جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے کفیل و سرپرست تھے اس لیے دونوں کے ازدواج کا اہتمام بھی حضور ﷺ ہی کو کرنا تھا۔ جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی الگ گھر نہ تھا۔ حضور ﷺ کو ایک الگ گھر بسانا تھا اس لیے اس کا انتظام بھی حضور ﷺ ہی فرما رہے تھے۔ گھرداری کے انتظام کے لیے جو کچھ مختصر سا اہتمام حضور ﷺ نے مناسب سمجھا کر دیا۔ سونے کو چارپائی اور اذخر (گھاس) بھری توشک اور تکیہ، مشکیزے، گھڑے، چکی، رہا چاندی کا ہار تو وہ یوں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کا تھا جو آپ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ترکے میں ملا تھا۔ یہ سارا انتظام حضور ﷺ کو اس لیے کرنا پڑا کہ آپ کو

ایک الگ گھر بسانا تھا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلے سے کوئی الگ گھر ہوتا تو حضور ﷺ اتنا کچھ بھی نہ کرتے۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر پہلے سے موجود تھا اس لیے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بیاہنے کے لیے حضور ﷺ نے ایسا کوئی انتظام نہیں کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا الگ گھر بھی پہلے سے موجود تھا اس لیے سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بیاہنے میں حضور ﷺ کو ایسے کسی اہتمام کی ضرورت نہ پڑی۔ اسی طرح حضور ﷺ کی زوجیت میں جو امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن آئیں ان کے والدین کو بھی ایسے کسی انتظام کی حاجت نہ تھی۔ لیکن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیثیت ان سب سے مختلف تھی۔ اب تک وہ حضور ﷺ کے ساتھ ہی رہتے تھے اور جب ازدواج فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہوا تو سارا اہتمام از سر نو کرنا پڑا۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوئی الگ گھر نہ تھا۔ ایک انصاری حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ایک گھر حضور ﷺ کی خدمت میں اسی مقصد کے لیے خوشی خوشی پیش کر دیا جس میں یہ پاکیزہ بیاہتا جوڑا منتقل ہو گیا۔ اور گھرداری کے فقیرانہ اسباب وہاں بھیج دیے گئے۔ یہ جہیز نہ تھا۔ صرف ایک نیا انتظام خانہ داری تھا۔ اگر جہیز ہوتا تو حضور ﷺ اپنی ہر بیٹی کو اسی طرح جہیز دیتے اور ہر ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے ساتھ حضور ﷺ کے ہاں جہیز لاتیں۔ یہ ہے اصل حقیقت جسے "جہیز" کا نام دے دیا گیا ہے اور اسے سنت رسول ﷺ سمجھ لیا گیا ہے۔

ایک اور بات

اس کے جہیز نہ ہونے کی ایک اور دلیل بھی سن لیجیے۔ جناب خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متروکات کے سوا دوسری چیزیں حضور ﷺ نے کہاں سے مہیا فرمائی تھیں؟ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل چیز ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حق مہر پہلے ہی لے لیا تھا۔ یہ ایک حطمیہ زرہ تھی جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سوا سو روپے کی رقم (تقریباً پانچ سو درہم) میں فروخت کی تھی۔ یہی مہر کی رقم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے اور اسی رقم سے حضور ﷺ نے گھرداری کا سارا سامان اور کچھ خوشبو وغیرہ منگوائی تھی۔ ذرا سوچیے کہ جہیز کی یہی صورت ہوتی ہے؟ اگر لوگ فی الواقع جہیز کو سنت سمجھتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ اسے زر مہر ہی سے مہیا بھی کریں۔

غلط فہمی کی ابتداء

اب آئیے ذرا اس پر غور کریں کہ جہیز کی یہ غلط فہمی کیسے پیدا ہوئی؟ بات یوں چلی کہ نسائی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ:

جهز رسول الله ﷺ فاطمة في خميل ... الخ

حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے اونی چادر اور فلاں فلاں چیزیں مہیا فرمائیں۔ یہاں جہز کے معنی کسی دور میں "جہیز دیا" کر لیے گئے اور یہ غلطی چل پڑی۔ رفتہ رفتہ اس پر اس غلط فہمی

کے دبیز پردے پڑتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آخرکار لوگوں نے جہیز کو سنت رسول ﷺ بنا چھوڑا۔

جَهَّزَ تَجْهِيزًا کے معنی ہیں سامان تیار کرنا مہیا کرنا خواہ وہ کسی مسافر کے لیے ہو یا کسی دلہن کے لیے یا کسی میت کے لیے۔ سورۂ یوسف میں ہے:

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ ...

"جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کا سامان تیار کر دیا"

یہاں کون یہ ترجمہ کر سکتا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جہیز دیا۔

ہم جب "میت کی تجہیز" کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے "جہیز" کون مراد لیتا ہے؟ احادیث میں بہت جگہ یہ لفظ آیا ہے اور کہیں بھی "جہیز" کے معنی میں نہیں۔ من جهز غازيا ..... (بخاری)۔ من جهز جيش العسرة .... (بخاری)۔ كنت اجهز للشام ... (ابن ماجہ)۔ ... انی لا جهز جیشی ... (بخاری)۔ كنا في من جهز عائشة .... (مسند احمد)۔ فجهزت نصف الجيش ... (ترمذی) وغیرہا

یہی شکل دلہن کی ہوتی ہے کوئی والدین اپنی بچی کو شادی کے بعد گھر سے اس طرح رخصت نہیں کرتے کہ اس کے کپڑے بھی اتروالیں۔ پدری اور مادری محبت بہت کچھ ساتھ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے اور یہ سلسلہ صرف رخصتی کے وقت تک ہی محدود نہیں رہتا۔ والدین ساری عمر اپنی استطاعت و توفیق کے مطابق اسے دیتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ معروف جہیز نہیں ہوتا۔ وہ عرصہ دراز تک کسی مجبوری کی وجہ سے اس کی شادی نہ کر سکیں جب بھی اسے کچھ نہ کچھ دیتے ہی رہتے ہیں لیکن اسے جہیز نہیں کہتے۔

بس حضور ﷺ نے ایک الگ گھر بسانے کے لیے جو کچھ بھی جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا اس کو "جہیز" سمجھنا ایک ایسی غلطی ہے جس کے حق میں کوئی معقول دلیل نہیں نظر آتی۔ حضور ﷺ نے کبھی کسی موقع پر بھی والدین کو اپنی بچی بیاہنے کے لیے جہیز دینے کا حکم یا کوئی ترغیب نہیں دی۔ سنت نبوی ﷺ میں تو یہ اصطلاح ہی کبھی نہیں رہی یہ سارے پھندے ہم نے خود اپنی گردن میں ڈال کر اپنے لیے مشکلات پیدا کر لی ہیں جب سے سوشل زندگی اجیرن ہو گئی ہے اور شادی بیاہ کی آسانیاں مصیبتوں کے پہاڑ میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ جو سہولتیں ہیں وہ خدا اور رسول ﷺ کی طرف سے ہیں اور جو دشواریاں اور مشکلات ہیں وہ خود ہماری اپنی لائی ہوئی ہیں۔ جہیز کی فکر میں گھل گھل کر مرنا اور اسی فکر کی وجہ سے دختروں کو ایک مصیبت سمجھنا کوئی اسلامی شعار نہیں۔ یہ صرف برادران وطن کی کورانہ پیروی ہے جسے اب وہ خود چھوڑ رہے ہیں۔ اور ہم ہنوز اس سے نہ نکلنا چاہتے ہوئے ہیں بلکہ غضب یہ ہے کہ اسے سنت رسول ﷺ اور لازمہ ازدواج بھی سمجھے ہوئے ہیں۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

بہار، سابق پنجاب اور سابق سرحد کے رواج:

ہندوستان میں صوبہ بہار کے مسلمانوں میں۔۔۔ اب تک ایک ہندوانہ رسم باقی ہے جسے "تلک" کہتے ہیں۔ تلک کا مفہوم یہ ہے کہ گویا لڑکے کی تجارت ہوتی ہے۔ لڑکا لڑکی والوں سے یہ کہتا ہے کہ تم جہیز میں فلاں فلاں چیزیں دو یا اتنی رقم دو تو میں تمہاری لڑکی سے شادی کروں گا اور بے چارے مسلمان اس خیال سے کب تک لڑکی کو بٹھائے رہیں گے اس کی شرطیں قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ خطبہ نکاح میں تو ہر جگہ یہی ارشاد نبوی ﷺ پڑھا جاتا ہے کہ النکاح من سنتی ومن رغب عن سنتی فلیس منی (نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ میری جماعت میں نہیں)۔ لیکن اتباع سنت کا یہ انداز بھی قابل داد ہے کہ ساتھ ہی ساتھ "تلک" کی شرط کو بھی منظور کر لیتے ہیں اور جہیز کی مفروضہ سنت کو بھی لازمۂ ازدواج تصور کرتے ہیں اور سابق صوبہ سرحد میں اس کے بالکل برعکس لڑکی والے لڑکے سے کہتے ہیں کہ اتنے روپے لاؤ تو ہم لڑکی دیں گے۔ پھر وہ اسی رقم کا خاصہ حصہ شادی کے تمام انتظامات میں لگا دیتے ہیں۔ گویا بہار میں لڑکے فروخت ہوتے ہیں اور یہاں لڑکیاں۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جب فروع پر زور دیا جائے تو اصول کی طرف سے بے توجہی ہو جاتی ہے جب غیر ضروری شے کو لازمی تصور کر لیا جائے تو ضروری چیز کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ ایک غیر ضروری چیز جہیز کو لازمۂ ازدواج یقین کر لیا تو مہر جیسی ضروری شے محض ایک بے جان، بے اثر اور ناقابل توجہ رسم بن کر رہ گئی۔ صوبہ بہار میں عام طور پر کم از کم چالیس ہزار روپیہ مع "دو دینار سرخ" دین مہر رکھا جاتا۔ خواہ دولہا چالیس روپے کی بھی سکت نہ رکھتا ہو۔ ایسے مواقع پر دولہا دلہن، نکاح خواں، گواہ، حاضرین، سسرال والے اور میکے والے سب جانتے ہیں کہ زر مہر ساری عمر بھی ادا نہیں ہوگا لیکن نکاح بڑے ٹھاٹھ سے ہوتا ہے۔ نکاح خواں پوچھتا ہے کہ۔۔۔ قبول کیا؟ دولہا جواب دیتا ہے۔۔۔ جی قبول کیا۔ حالانکہ دونوں ایک دوسرے کے کذب کو سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ غیر ضروری چیز پر زور دینے کا نتیجہ کیا نکلا؟ ضروری غیر ضروری بن گیا۔ چونکہ وہاں مہر کبھی ادا نہیں ہوتا اس لیے وہاں اصطلاح مہر کو کہتے ہیں دین مہر یعنی کبھی نہ اترنے والا قرض۔

سابق صوبہ پنجاب میں اس نے ایک دوسری شکل اختیار کر لی۔ یعنی مہر صرف بتیس روپے قرار پائے۔ اور اس کا نام "مہر شرعی" رکھ دیا گیا۔ یعنی اگر اس سے کم زیادہ ہوا تو وہ غیر شرعی مہر ہوگا۔ حالانکہ مہر کا معاملہ صرف اس قدر ہے کہ شوہر آسانی سے ادا کر سکے۔ اور بیوی کے وقار Status سے گرا ہوا نہ ہو۔ یہ ایک روپے سے لے کر ایک کروڑ روپے تک ہو سکتا ہے۔

یہ سب نتائج ہیں جہیز کی ہندوانہ رسم کو ضروری سنت قرار دینے کے۔ جب جہیز ضروری ٹھہرا تو مہر خود بخود غیر ضروری یا غیر متوازن ہو گیا۔ جہیز کو لازمۂ ازدواج سمجھنے سے مسلمان قوم کے معاشی توازن میں جو بگاڑ پیدا

ہوا وہ الگ ہے۔ ہم نے کتنے خاندانوں کو اسی چکر میں مٹتے اور تباہ ہوتے بھی دیکھا ہے۔ وہ محض جہیز کی غیر ضروری رسم پوری کرنے کے لیے سودی قرضہ لیتے ہیں۔ اپنی جائدادیں رہن رکھ دیتے ہیں جو کبھی واگذار نہیں ہوتیں۔ ادھر مہر کی بڑی رقمیں ادا نہیں ہوتیں اور ادھر جائداد پر لیا ہوا قرضہ بھی ادا نہیں ہوتا۔ اور شادی کا فرض قرض کے چکر میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس غیر ضروری رسم کو جو در اصل بدعت ہے ختم کر دیا جائے۔

ابن ماجہ کتاب الزہد باب آل محمد کے الفاظ یہ ہیں و عما فی خمیل لهما قد كان رسول الله ﷺ جهز عما بها یعنی حضور ﷺ علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لائے تو وہ دونوں ایک ہی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور یہ چادر حضور ﷺ ہی نے ان دونوں کے لیے مہیا فرمائی تھی۔ کیا یہاں جہز کے معنی یہ لیے جا سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو بھی جہیز دیا تھا۔

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تری پرواز لولاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تری
تری آنکھوں میں بیباکی نہیں ہے
محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

کیا رسول اللہ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائیں؟

مفتی محمد خان قادری

س: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ نے بھی؟ فرمایا:

کنت ارعاھا علی قراریط لاھل مکۃ (البخاری، کتاب الاجارہ)

"میں نے بھی اہل مکہ کی بکریاں قراریط (اجرت) پر چرائی ہیں"۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی بکریاں اجرت پر چرائی ہیں۔ حالانکہ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ ہر نبی اپنے دور کا معزز پیشہ اختیار کرتا ہے۔ لیکن لوگوں کی بکریاں اجرت پر چرانا تو معزز پیشہ نہیں پھر سید الانبیاء ﷺ نے یہ کیوں اختیار فرمایا؟ اس کی وضاحت کتاب و سنت کی روشنی میں کی جائے۔

(السائل: محمد اختر رضا قادری، سرگودھا)

جواب: کتاب و سنت کے مطالعہ کے بعد محققین علماء نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہرگز ہرگز لوگوں کی بکریاں اجرت پر نہیں چرائیں۔ ہاں آپ نے اپنی بکریاں چرائی ہیں۔ پہلے ہم کتاب و سنت کے دلائل ذکر کرتے ہیں پھر مذکورہ حدیث کا مفہوم سامنے لائیں گے تاکہ معاملہ واضح ہو جائے۔

قرآن اور لفظ راعنا

مجلس میں آپ ﷺ جب کسی معاملہ کے بارے میں گفتگو فرماتے، اگر حاضرین میں سے کسی کو کوئی بات سمجھ نہ آتی تو عرض کرتے "یارسول اللہ ﷺ راعنا"۔ اے اللہ کے رسول ہماری رعایت کیجئے۔ آپ کی مجلس میں منافقین اور یہود بھی آتے تھے۔ انہوں نے اپنے دل کے خبث اور حسد و بغض کے اظہار کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ وہ بھی لفظ "راعنا" استعمال کرتے۔ مگر ذرا زبان کو مروڑ کر پڑھتے تاکہ اس سے حضور ﷺ کی توہین کا پہلو پیدا کیا جا سکے۔ وہ کیا معنی مراد لے کر استعمال کرتے تھے؟ اہل تفسیر لکھتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعے حضور علیہ السلام کو

"اپنا چرواہا" قرار دینے کی ناپاک جسارت کرتے تھے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ۲

"یا ایھا الذین امنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکفرین عذاب الیم"۔

"اے اہل ایمان اب راعنا مت کہو بلکہ انظرنا (ہم پر نظر کرم کیجئے) کہو اور آپ کی گفتگو خوب اچھی طرح سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

اس آیت مبارکہ کے تحت چند مفسرین کی تحریر کردہ آراء ملاحظہ کیجئے جو ہمارے مدعیٰ پر روشن دلیل ہیں۔

۱۔ امام فخر الدین رازی نے لفظ "راعنا" کی سات تفاسیر اور معانی بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں:

ثالثھا ان الیھود کانوا یقولون راعینا ای انت راعی غنمنا فنھا ھم اللہ عنھا۔

"تیسری صورت یہ تھی کہ یہود لفظ راعنا کو راعینا کے طور پر ادا کرتے یعنی" اے ہمارے بکریاں چرانے والے!" تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو حرام قرار دیا۔ (تفسیر کبیر ۳، ۲۲۳)

۲۔ علامہ محمود آلوسی اس لفظ کی تشریح میں مفسرین کا ایک قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

قیل بل کانوا یشبعون کسر العین و یعنون لعنھم اللہ تعالیٰ انہ وحاشاہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ خدمھم و رعاۃ غنمھم و قد کانوا یقولون ذلک مظھرین الاحترام والتوقیر مضمرین ما یستحقون بہ جھنم و بئس المصیر.

"یہود لفظ راعنا کو کھینچ کر پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان پر ہو۔ حاشا وکلا آپ ﷺ کی ذات اقدس اس سے پاک ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ہمارے بطور خادم اور ہماری بکریاں چرانے والے ہیں۔ اس سے وہ بظاہر آپ کا احترام اور توقیر کرتے مگر دل و دماغ میں ایسی بات چھپاتے جس سے وہ اس جہنم کے مستحق ٹھہرے جو نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

علامہ آلوسی کے یہ الفاظ "اللہ ان پر لعنت کرے" اور "حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس اس سے پاک ہے" نہایت ہی قابل توجہ ہیں۔

۳۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے سورۃ البقرہ میں لفظ راعنا کا مفہوم واضح کرنے کے لیے "یہود کی شرارت" کے عنوان کے تحت یہ گفتگو تحریر کی ہے:

"اوپر گزر چکا ہے کہ یہ یہود کی ان شرارتوں اور اعتراضات سے متنبہ کیا جا رہا ہے جو وہ آنحضرت ﷺ اور قرآن کے خلاف اس لیے کرتے تھے کہ اپنے اندر کی بھڑاس نکالیں اور ہو سکے تو اس طرح مسلمانوں کو

اسلام کی نعمت عظمیٰ سے محروم کریں۔ سیاق و سباق پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض یہودی محض منافقانہ اعتراض کے لیے آنحضرت ﷺ کی مجالس میں شریک ہوتے اور اپنے شوق استفادہ اور ذوق تعلم کے اظہار کے طور پر راعنا کا لفظ بار بار دہراتے تاکہ حاضرین مجلس پر یہ اثر ڈالیں کہ یہ علم کے بڑے طالب اور قدر دان لوگ ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ اس لفظ کو صرف اس لئے استعمال کرتے تھے کہ ذرا سا زبان کو توڑ مروڑ کر استعمال کرنے سے اس سے حضور اکرم ﷺ کی توہین کا پہلو پیدا کیا جاسکتا تھا۔ راعنا کو ذرا پیچھے کی طرف دبا کر ادا کیجیے تو بڑی آسانی سے راعینا بن جائے گا جس کے معنی "ہمارے چرواہے" کے ہیں۔ یہود کی اس شرارت کا ذکر قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ.

"یہود میں وہ لوگ ہیں جو کلام کو اس کے موقع محل سے ہٹاتے ہیں اور اپنی زبانوں کو لپکا کر کہتے ہیں سمعنا وعصینا و اسمع غیر مسمع اور راعنا دین پر طنز کرنے کے لیے"۔

اس آیت سے واضح ہے کہ یہ شرارت راعنا کے تلفظ میں زبان کو لپکا کر پیدا کی جاتی تھی۔ (تدبر قرآن، ۱: ۲۵۰۔۲۵۱)

دوسرے مقام پر سورۃ النساء کی تفسیر میں لفظ راعنا کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"راعنا" کے لفظی معنی ہیں "ذرا ہماری رعایت فرمائیے" اس لفظ کا اچھا محل استعمال یہ ہے کہ اگر مخاطب نے متکلم کی بات اچھی طرح سنی یا سمجھی نہ ہو یا بات ایسی لطیف اور حکیمانہ ہو کہ خود متکلم کی زبان سے اس کو مکرر سننا چاہے تو اس کو دوبارہ متوجہ کرنے کے لئے جس طرح ہمارے ہاں کہتے ہیں "پھر ارشاد ہو یا پھر فرمائیے" اسی طرح عربی میں "راعنا" کہتے ہیں۔ یہ لفظ سامع کے ذوق و شوق اور اس کی رغبت علم کی دلیل ہے لیکن یہودی اشرار "لی لسان" یعنی زبان کو توڑ مروڑ کے ذریعے سے اس کو بھی طنز کے قالب میں ڈھال لیتے۔ اس کی شکل یہ ہوتی کہ "راعنا" میں "ع" کے کسرہ کو ذرا دبا دیجیے تو یہ لفظ "راعینا" بن جائے گا اور اس کا معنی ہوگا "ہمارا چرواہا" قرآن نے یہود کی اس شرارت کی وجہ سے اس لفظ کو سرے سے مسلمانوں کے مجلسی الفاظ ہی سے خارج کر دیا اور اس کی جگہ "انظرنا" کے استعمال کی ہدایت فرمائی جس کے معنی ہیں "ذرا ہمیں مہلت عنایت ہو" "ذرا پھر توجہ فرمائیے" یعنی مفہوم کے لحاظ سے یہ ٹھیک ٹھیک "راعنا" کا قائم مقام ہے اور اس میں لہجے کے بگاڑ سے کسی بگاڑ کے پیدا کیے جانے کا کوئی موقع نہیں ہے"۔ (تدبر قرآن، ۲: ۸۳)

آگے بڑھنے سے پہلے مولانا کا ہی "الفاظ سے متعلق ایک نفسیاتی حقیقت" کے تحت تحریر کردہ اقتباس بھی پڑھ لیجیے۔

"الفاظ کے متعلق یہ نفسیاتی حقیقت ملحوظ رہنی چاہیے کہ اگر ان کے اندر کوئی روح فساد موجود ہو یا سوء استعمال سے پیدا کر دی گئی ہو تو پھر سلامتی ان سے دور رہنے میں ہی ہے ورنہ ان کا زہر غیر شعوری طور پر ان کے

بولنے والوں اور سننے والوں کے اندر بھی سرایت کر کے رہتا ہے۔ مسلمانوں کو اس چھوت سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ "راعنا" کے استعمال کی ممانعت فرما دی"۔ (تدبر قرآن، ۱: ۲۵۱)

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے اخذ شدہ نکات

۱۔ امت مسلمہ کو سب سے پہلا سبق اس آیت نے یہ دیا ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ کے بارے میں جب گفتگو ہو خواہ تحریر ہو یا تقریر تو ہر اس لفظ سے احتراز لازم و فرض ہے جس سے آپ کی بے ادبی کا کوئی شائبہ ہو۔ علامہ شوکانی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

وفی ذلک دلیل علی انه ینبغی تجنب الالفاظ المحتملة للسب و النقص وان لم یقصد المتکلم بها ذلک المعنی للشتم سداً للذریعة و دفعاً للوسیلة وقطعاً لمادة المفسدة والتطرق الیه.

"اس آیت مبارکہ نے یہ اصول دیا ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں ہر وہ لفظ لکھنا اور بولنا جس میں سب و نقص کا احتمال ہو اس سے بچنا ضروری ہے۔ اگرچہ متکلم ان الفاظ سے یہ معنی مراد بھی نہ لے رہا ہو تاکہ ہر طرح سے بے ادبی اور توہین، فتنہ و فساد کی راہ کو مسدود کر دیا جائے"۔ (فتح القدیر، ۱: ۱۲۳)

۲۔ کوئی لفظ بظاہر کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو اگر اس کو سوء ادب کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہو تو ایسا لفظ بولنا بھی توہین شمار ہوگا۔ لفظ "راعنا" نہایت خوبصورت لفظ تھا مگر اہل نفاق و حسد نے اسے بے ادبی کا ذریعہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے یک قلم اسے مسلمانوں کی گفتگو سے خارج کر دیا۔

۳۔ لفظ راعنا کے متعدد مفاہیم ضرور ہیں مگر قرآنی الفاظ وراعنا لیا بالسنتھم (وہ اسے زبان سے لپکا کر پڑھتے)۔ اس کے یہی معنی اجاگر کر رہے ہیں کہ وہ اس کے ذریعے آپ کو چرواہا قرار دینے کی بھونڈی کوشش کرتے تھے۔ اس کی تفصیل کے لیے مولانا اصلاحی کے دوسرے اقتباس پر دوبارہ نظر ڈال لیجیے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کو "چرواہا" کہنا قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ جب قرآن ایسا لفظ بولنا گوارا نہیں کرتا جس میں چرواہا بنانے کی کوشش ہو تو وہ صراحۃً چرواہا کہنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔

۵۔ اگر واقعۃً آپ نے اجرت پر لوگوں کی بکریاں چرائی ہوتیں تو قرآن ڈنکے کی چوٹ پر ایسے الفاظ کے استعمال سے منع نہ کرتا۔

۶۔ اس لفظ سے منع کرنا از خود اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسے معاملہ سے ہی پاک رکھا تاکہ مخالفین کسی موقع پر بھی اسے حقارت کا ذریعہ نہ بنائیں۔

۷۔ جب ہر جگہ غلط الفاظ کا زہر سرایت کر کے ذہن کو برباد کر دیتا ہے تو پھر حضور علیہ السلام کے بارے میں صد درجہ احتیاط ضروری ہے۔ اگر بار بار آپ کو چرواہا لکھا جائے، پڑھا اور سنا جائے تو اس سے ذہنوں پر جو غلط اثرات

مرتب ہوں گے وہ کسی صاحب فہم و شعور سے مخفی نہیں۔ خصوصاً جب بچوں کو پڑھایا جائے جو عظمت و محنت وغیرہ سے آگاہ ہی نہیں ہوتے۔

مذکورہ حدیث کا صحیح مفہوم

رہا یہ معاملہ کہ مذکورہ حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ نے اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرائیں تو اس سلسلہ میں درج ذیل گذارشات نہایت ہی قابل توجہ ہیں۔

ا۔ اس حدیث میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں۔ الفاظ حدیث اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما بعث الله نبياً الا رعى الغنم فقال اصحابه وانت فقال نعم كنت ارعاها على قراريط لاهل مكة.

''اللہ تعالیٰ کسے ہر نبی نے بکریاں چرائیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے بھی؟ فرمایا: میں نے اہل مکہ کی بکریاں مقام قراریط پر چرائی ہیں''

بعض لوگوں کی غلط فہمی

اس حدیث میں لفظ قراریط استعمال ہوا ہے جو ایک جگہ کا نام ہے لیکن بعض لوگوں نے اس کا ترجمہ نقدی (اجرت) کرتے ہوئے کہا کہ یہ قیراط کی جمع ہے اسی بنا پر شیخ سوید بن سعید نے حدیث کا ترجمہ یوں کیا:

كل شاة بقيراط

''ایک بکری کی اجرت ایک قیراط تھی''۔ (ابن ماجہ، کتاب التجارت)

علماءِ محققین کی رائے

علماءِ محققین نے ان کا ذکر کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ قراریط مکہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ قیراط کی جمع نہیں۔

ا۔ حدیث، لغت اور دیگر فنون کے امام شیخ ابراہیم بن اسحاق الحربی قراریط کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

ان قراريط اسم مكان في نواحي مكة قرب اجياد.

''قراریط اطراف مکہ میں اجیاد کے قریب ایک جگہ کا نام ہے''۔ (عمدۃ القاری ۱۲:۸۰)

۲۔ امام ابن جوزی کے استاد شیخ محمد ناصر شیخ سوید کی تفسیر قراریط کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اخطاء سويد في تفسيره القيراط با لذهب والفضة اذلم يرع النبي ﷺ لاحد باجرة قط وانما كان يرعى غنم اهله.

''شیخ سوید نے قیراط کی تفسیر سونا، چاندی سے کرکے غلطی کی ہے کیونکہ رسالت مآب ﷺ نے ہرگز ہرگز کسی کی

بکریاں اجرت پر نہیں چرائیں۔ ہاں آپ نے صرف اپنی بکریاں چرائی ہیں''۔ (شرح الشفا للقاری ۲:۳۶۰)

۳۔ امام المحدثین ابن جوزی نے دونوں قول کا جائزہ لینے کے بعد کہا:

الذى قاله الحربى اصح

''شیخ حربی نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ نہایت ہی صحیح ہے''۔ (عمدۃ القاری ۱۲:۸۰)

۴۔ اسی طرح ملا علی قاری نے بھی شیخ ابراہیم الحربی کے قول کو ترجیح دی اور اسے صحیح قرار دیتے ہوئے کہا:

والصحيح ما فسره به ابراهيم بن اسحاق الحربي الامام في الحديث واللغة و غيرهما ان قراريط اسم مكان في نواحي مكة.

''امام ابراہیم بن اسحاق حربی کی تفسیر ہی صحیح ہے کہ قراریط اطراف مکہ میں جگہ کا نام ہے۔ اور وہ حدیث، لغت اور دیگر علوم کے امام ہیں''۔ (شرح الشفا للقاری ۲:۳۶۰)

۵۔ شیخ المحدثین امام بدر الدین عینی نے تصیدۂ دلائل (جن کا ذکر کرتے آرہے ہے) سے شیخ ابراہیم، شیخ محمد بن ناصر اور امام ابن جوزی کی تائید کرتے کہا:

انه ما كان يرعى باجرة فاذا كان كذلك فلا دخل للقراريط من النقد في هذا الموضع.

''جب آپ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہی نہیں۔ لہٰذا اس حدیث میں لفظ قراریط کا اجرت سے کوئی تعلق نہیں''۔ (عمدۃ القاری ۱۲:۸۰)

۶۔ امام ملا علی القاری تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمحققون انه عليه الصلوة والسلام لم يرع لاحد بالاجرة وانما رعى غنم نفسه و هذا لم يكن عيبا في قومه . واما رواية رعى بقراريط فقالو انه اسم موضع.

''محققین علماء نے واضح طور پر یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ نے اجرت پر کسی کی بکریاں نہیں چرائیں۔ ہاں آپ نے اپنی بکریاں چرائی ہیں اور یہ عیب نہیں۔ باقی رہی روایت قراریط تو علماء نے بتایا ہے کہ وہ جگہ کا نام ہے''۔ (شرح الشفاء للقاری ۲:۳۳۸)

۷۔ علامہ شبلی نعمانی اس اختلاف کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ سوید بن سعید کی رائے ہے کہ قراریط، قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم و دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اس بناء پر ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اجرت پر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ اسی بناء پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ میں نقل کیا ہے لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے۔ ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی